207

تحقیق

آفتاب (ترجمہ گایتری)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
اقبال اکادمی پاکستان
©2002-2006

ڈاکٹر مہر عبدالحق

تیرا کمالِ ہستی ہر جاندار میں
تیری نمود سلسلۂ کوہسار میں

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

'بانگِ درا' کی اُن نظموں میں جنہیں علامہ اقبالؒ کی شاعری کے ابتدائی دور یعنی ۱۹۰۵ء تک کی نظموں میں رکھا گیا ہے، ایک نظم 'آفتاب' (ترجمہ گایتری) کے عنوان سے موجود ہے جو پچھلے تقریباً ساٹھ سال سے پڑھی اور پڑھائی جا رہی ہے، لیکن جس کے ماخذ یعنی گایتری کے بارے میں بہت کم لوگ واقفیت رکھتے ہیں۔ اگر خطوط وحدانی میں یہ وضاحت نہ کی جاتی کہ یہ نظم کسی اور شہپارے کا ترجمہ ہے تو جو مرکباتِ توصیفی اقبالؒ نے 'آفتاب' کی تعریف و توصیف میں استعمال کیے ہیں، اسلامی عقائد کے منافی متصور ہوتے۔ مثلاً سورج کو 'روح و روانِ جہاں' کہنا تو شاید کسی حد تک قابلِ درگزر ہوتا لیکن اسے 'وجود و عدم کی نمود کا باعث' یا 'یزدانِ ساکنانِ نشیب و فراز' نہیں کہا جا سکتا تھا؛ چہ جائیکہ کوئی اسے بے ابتدا اور بے انتہا کہے یا اس کی ضیا کو اول و آخر کی قید سے آزاد تسلیم کرے۔ ان مرکبات کو خط کشیدہ کرکے مذکورہ نظم کو فوری حوالے کے لیے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

اے آفتاب! روح و روانِ جہاں ہے تُو
شیرازہ بندِ دفترِ کون و مکاں ہے تُو

باعث ہے تُو وجود و عدم کی نمود کا
ہے سبز تیرے دم سے چمن ہست و بود کا

قائم یہ عنصروں کا تماشا تجھی سے ہے
ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے

ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے
تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے

وہ آفتاب جس سے زمانے میں نُور ہے
دل ہے، خرد ہے، روحِ رواں ہے، شعور ہے

اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے
چشمِ خرد کو اپنی تجلّی سے نُور دے

ہے محفلِ وجود کا ساماں طراز تُو یزدانِ ساکنانِ نشیب و فراز تُو
تیرا کمال مستی ہر جاندار میں تیری نمود سلسلۂ کوہسار میں
ہر چیز کی حیات کا پروردگار تُو زائیدگانِ نُور کا ہے تاجدار تُو
نے ابتدا کوئی، نہ کوئی انتہا تری
آزادِ قیدِ اوّل و آخر ضیا تری

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبالؒ نے اس غیر مسلم ادبی شہ پارے کا ترجمہ کس جذبے سے متاثر ہو کر کیا ہے۔ کیا یہ غیر مسلم ہمسایہ قوم کے دل جیتنے کی کوشش ہے یا نور اور روشنی کے ساتھ اقبالؒ کا جو فطری لگاؤ ہے، یہ اُس کا اظہار ہے؟ جب تک کوئی شاعر، ادیب یا فلسفی اپنے خیالات اور دوسروں سے مستعار لیے ہوئے خیالات میں ہم رنگی مماثلت اور یکسانی و ہم آہنگی کے عناصر کو یقین کی حد تک دل سے قبول نہیں کر لیتا، اُس وقت تک وہ ان مستعار تصورات کو دُنیا کے سامنے پیش نہیں کرتا۔ اہلِ مغرب کے زعیم فلسفیوں کے حوالے چھوڑ کر، جو ۱۹۰۵ء کے اوّلین دور کے بہت بعد کے ہیں، اگر ہم صرف "بانگِ درا" کی نظموں ہی کو سامنے رکھیں تو ان میں "ترانۂ ہندی" اور "نیا شوالہ" کے علاوہ سوامی رام تیرتھ، رام اور نانک جیسی شخصیات پر بھی نظمیں ملتی ہیں۔ "نانک" کے عنوان والی نظم میں آٹھ شعر ہیں جن میں سے چھ تو گوتم بدھ کی تعریف میں ہیں اور صرف آخری دو شعروں میں نانک کا ذکر ہے۔ اقبالؒ نے گوتم بدھ کو "گوہر یکدانہ"، "شمعِ حق" اور اس کے پیغام کو "آوازِ حق"، "زندگی کا راز" اور "بارشِ رحمت" کہا ہے، اور نانک کو اپنے فکر و فلسفے کی آخری حد تک پہنچا کر "مردِ کامل" کا لقب دیا ہے اور اس کے پیغام کو پیغامِ توحید مانتے ہوئے "نورِ ابراہیم" سے تشبیہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترکیبیں کسی مصلحت کے تحت استعمال نہیں ہوئیں بلکہ ان سے اقبالؒ کا وہ رویہ اور فطری رجحان ظاہر ہوتا ہے جس کے زیرِ اثر وہ عمر بھر ایسی جزئیات تلاش کرتا رہا ہے جو اس کے تیقن کے مماثل یا ہم رنگ تھیں، یا جو اُس کے فلسفے کو تقویت عطا کر سکتی تھیں۔ گایتری کا ترجمہ بعنوان "آفتاب" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اقبالؒ کو روشنی سے کتنی محبت ہے، اس کا اندازہ اس کے زندگی بھر کے کلام و پیام بلکہ انگریزی خطبات سے بھی لگایا جا سکتا ہے جن میں علامہ نے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی خوبصورت تشریح اپنے مخصوص فلسفیانہ رنگ میں کی ہے۔ ابتدائی کلام میں اقبال کی طلبِ نور کی شدت بہت سے اشعار سے ظاہر ہوتی ہے، مثلاً ؎

آفتاب (ترجمہ گایتری)

نور کا طالب ہوں، گھبراتا ہوں اس بستی میں مَیں
طفلکِ سیماب پا ہوں مکتبِ ہستی میں مَیں

یا

نور سے دور ہوں، ظلمت میں گرفتار ہوں میں
کیوں سیہ روز، سیہ بخت، سیہ کار ہوں مَیں

یا شمع و پروانہ کے عنوان والی نظم میں یہ اشعار ہیں ؎

کرتا ترے حضور میں اس کی نماز ہے
ننھے سے دل میں لذتِ سوزوگداز ہے
کچھ اس میں جوشِ عاشقِ حُسنِ قدیم ہے
چھوٹا سا طُور تُو، یہ ذرا سا کلیم ہے
پروانہ اور ذوقِ تماشائے روشنی!
کیڑا ذرا سا اور تمنائے روشنی!

اسی طرح 'جگنو' کی نظم میں ہے ؎

پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا
وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا

روشنی سے متعلق براہ راست یا بالواسطہ جو حوالے 'بانگِ درا' میں ملتے ہیں، وہ شمع و پروانہ، آفتاب (ترجمہ گایتری)، ماہِ نو، شمع، آفتابِ صبح، انسان اور بزمِ قدرت، پیامِ صبح، چاند، جگنو، صبح کا ستارہ، اخترِ صبح، چاند اور تارے، ستارہ، دو ستارے، نمودِ صبح، غرۂ شوال، نویدِ صبح، شبنم اور ستارے اور شعاعِ آفتاب کے عنوانات والی نظموں میں ہیں۔ ان میں آفتاب کا ذکر مختلف مترادفات کے ساتھ بہر حال نمایاں ہے۔

ماہرینِ نفسیات بتا سکیں گے کہ اقبالؒ نے اپنے پہلوٹی کے بیٹےؒ کا نام 'آفتاب' بھی کسی جذبے کی لاشعوری شدت کے تحت تو نہیں رکھا تھا؟

'رگ وید' دنیا کی قدیم ترین مذہبی کتاب مانی جاتی ہے۔ اس میں، بلکہ پورے ویدک دور میں، تین خداؤں یا دیوتاؤں کو باقیوں سے افضل قرار دے دیا گیا تھا: (۱) اگنی (۲) سوریہ اور (۳) اندرا۔ ویدک بھجنوں میں سورج کے دو نام آتے ہیں: سوریہ اور سوتر یا سوترِی۔ جب

سورج پجاری کی نظروں کے سامنے ہو تو یہ سُوریہ کہلائے گا اور نظروں سے اوجھل ہو تو اسے سَوتر کہیں گے۔ استعارے کی زبان میں سُوریہ ظاہر کو منوّر کرتا ہے جبکہ سوتر باطن اور عقل وخرد کی صلاحیتوں کو تابندہ و درخشاں بناتا ہے۔ اقبالؒ کا یہ مصرع کہ "آفتاب دل ہے، جزو ہے، رُوحِ رواں ہے، شعور ہے" انہی استعاراتی معنوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ قدیم زمانے سے لے کر آج تک سُورج پرست پجاری کے ذوق و شوق اور اس کی عبودیت کے خلوص و انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ویدوں کو تحریر میں آئے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال گزر چکے ہیں۔ صدیوں پہلے تک یہ زبانی یاد رکھے گئے تھے۔ گویا کم از کم چار ہزار سال سے سورج کی پرستش جاری ہے۔ ویدوں کے چند مقدس ترین کلمات کو 'جو گیت کی صورت میں ہیں، گائیتری کہا جاتا ہے۔ ان نغماتی کلمات میں بڑی شدتِ آرزو کے ساتھ سُورج ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ہر براہمن صبح سویرے بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے گائیتری گاتا ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق سادہ سے ان الفاظ کے اندر بے پناہ قوتیں مخفی ہیں۔ اس کے پُراسرار الفاظ یہ ہیں:

اوم!
بھُور، بھُوَہ، سُوَہ
تَت سَوِتر وَرینیم
بھرگو دیوِ
سی دِھی مہی، دِھیو یو نہ پرچودیات!

"اوم" کا لفظ ہندوؤں کی تمام مذہبی رسومات کے شروع کرنے سے پہلے بولا جاتا ہے۔ اس لفظ کو اتنا مقدس اور متبرّک خیال کیا جاتا ہے کہ حکم ہے کہ جب یہ لفظ بولا جائے تو اس احتیاط کے ساتھ بولا جائے کہ کوئی دوسرا شخص اسے سُن نہ پائے کہ شاید وہ پاک و صاف نہ ہو۔ اس لفظ کے اصل معانی کا آج تک کسی کو پختہ علم نہیں ہے۔ شروع شروع میں الف، واؤ، میم سے تین وید مراد لیے جاتے تھے، بعد میں انہیں تین بڑے خداؤں برہما، وشنو اور شوا کی علامت بنا لیا گیا۔ مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ کرنے والے ماہرین کہتے ہیں کہ تمام سابقہ مذہبی کتابیں ایسے ہی پُراسرار الفاظ یا حروفِ مقطعات سے شروع ہوتی تھیں۔ قرآنِ حکیم کا پہلا لفظ الف لام میم ہے۔ مفسّرین کا ارشاد ہے کہ ان حروف سے مُراد اللہ، جبریل اور محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ تعلیماتِ ربّانی ہمیشہ ایک ہی رہی ہیں تو کیا الف واؤ میم سے اللہ، وحی اور محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) مُراد لیے جا سکتے ہیں؟

گایتری کے اگلے تین لفظ بھُور، بھُوَہ، سُوَہ تخلیقِ کائنات سے متعلق ہیں۔ "ساتاپتھ پُران" میں ان الفاظ کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ جب پرجاپتی یعنی خالق نے لفظ بھُور بولا تو زمین پیدا ہو گئی، بھُوَہ کہا کہا تو کرۂ ہوائی وجود میں آگیا اور سُوَہ کا لفظ مُنہ سے نکالا تو آسمان تخلیق ہو گیا۔ پرجاپتی نے پھر بھُوہ کہا تو براہمن پیدا ہو گیا، بھُوہ کہا تو کھشتری وجود میں آگیا اور سُوَہ کہا تو ویش نے جنم لیا۔ پرجاپتی نے بھُوہ کہنے سے اپنے آپ کو پیدا کیا تھا، بھُوہ کہا تو انسانی اولاد وجود میں آگئی تھی، پھر سُوَہ کہا تو حیوانات تخلیق ہو گئے۔ یہ دنیا کیا ہے زمین آسمان اور درمیانی ہوائی کُرہ ہی تو ہے۔ یہ دُنیا کیا ہے؟ براہمن، کھشتری اور ویش ہی تو ہے۔ یہ دُنیا کیا ہے؟ خودی (سیلف)، اولاد اور حیوانات ہی تو ہے!

گایتری کے باقی الفاظ کا مفہوم کچھ یوں ہے ؎

"آؤ ہم سب مل کر زندگی عطا کرنے والے
عظیم دیوتا (سُورج) کی شان و شوکت اور عظمت
پر غور و فکر کریں تاکہ وہ ہماری سمجھ بُوجھ کو منوّر و تاباں
بنا دے، اسے ٹیڑھا نہ ہونے دے بلکہ اسے
سیدھے راستے پر قائم رکھے!

"سکند پُران" میں گایتری کی اہمیت کے بارے میں لکھا ہے کہ ویدوں میں اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ گایتری کی طاقت سے وِشوامتر، کھشتری سے براہمن بن گیا، بلکہ اُسے ایسی قوّتیں حاصل ہو گئیں کہ اگر وہ چاہتا تو ایک نئی دُنیا تخلیق کر سکتا تھا۔ وہ کونسا کام ہے جو گایتری سے نہیں ہو سکتا! گایتری وِشنو ہے۔ گایتری برہما ہے۔ گایتری شوا ہے۔ گایتری تینوں وید ہے۔

جب پُجاری کے لیے اتنی بڑی نعمتوں کا وعدہ موجود ہو اور اسے اتنی وسیع برکتوں کے مل جانے کی توقّع ہو تو پھر وہ کیوں نہ انہماک، خلوص اور ذوق و شوق کے ساتھ سُوریہ دیوتا کی پرستش کرے۔ سُوریہ دیوتا کی تعریف اور توصیف میں رگ وید میں بہت سے بھجن دیے گئے ہیں۔ ان میں ایک بھجن ادبی محاسن سے اعلیٰ پائے کا ہے۔ ذیل میں اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

پَو پھٹنے کے وقت کی کرنوں کو دیکھو، کس طرح شاہی نقیبوں کی طرح
آسمان کی بلندیوں پر سورج دیوتا کی آمد کا اعلان کر رہی ہیں تاکہ انسان
اپنے سب کچھ جانتے والے، عظیم دیوتا کا نظارہ کر لیں۔ "سب کچھ دیکھنے

والی آنکھ کے سامنے سے ظلمتِ شب کے ساتھ ساتھ ستارے بھی چوروں کی طرح غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ تابناک شعلوں کی طرح روشن اور چمکدار شعاعیں ایک ایک خطے اور ایک ایک قوم کو اس کی اس کی جلوہ افروز حضوری کا پتہ دیتی ہیں اور انہیں اس تیز رفتاری کے ساتھ یہ خبر پہنچاتی ہیں کہ کوئی فانی مخلوق اسے سمجھ ہی نہیں سکتی۔

اے سورج دیوتا! تم ہمیشہ سفر میں رہتے ہو، سب کے سامنے نمایاں ہو کر!

تم نور کے خالق ہو اور اپنے نور سے ساری دنیا کو منور کر دیتے ہو۔ اے روشنی عطا کرنے والے دیوتا ورونا! تم انسان کی ہر نسل اور اور آسمان کی کل مخلوقات کی نگاہوں کے سامنے طلوع ہوتے ہو۔ تمہاری نظر جو ہر چیز کے پار اتر جاتی ہے، اس متحرک اور ہیجانی دنیا اور وسیع و عریض خلاؤں کو چیر کر نکل جاتی ہے اور سب کچھ معلوم کر لیتی ہے، ہر مخلوق کے اعمال کا جائزہ لے لیتی ہے اور پھر ہمارے لیے دن اور رات کے پیمانے مقرر کر دیتی ہے

گایتری اور اس بھجن کے مفہوم کے اہم نکات کا موازنہ اقبال کی نظم "آفتاب" سے کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اقبال نے گایتری کے صرف مرکزی خیال کو سامنے رکھا ہے۔

ویدوں میں تخلیقِ کائنات کے بارے میں جو تصورات ہیں، ان میں کسی ایک 'خالق' کی بات کہیں نہیں ملتی۔ سوریہ دیوتا تو کسی صورت میں بھی تخلیق سے تعلق نہیں رکھتا۔ ویدک لٹریچر میں سب سے بڑے دیوتا تین ہیں، اور یہ بھی طویل قربانیوں اور مجاہدوں کے بعد مقامِ فضیلت پر پہنچے ہیں: اگنی، اندرا، سوریہ۔ لیکن تخلیق سے ان کا دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ تخلیق کے بارے میں اے ایل باشم کے یہ الفاظ غور طلب ہیں: "اگرچہ 'ورونا' کے بارے میں یہ دھندلا سا تصور موجود ہے کہ وہ خالقِ کائنات ہے اور کبھی کبھی 'اندرا' کو بھی یہ فریضہ عطا کر دیا جاتا ہے، تاہم رگ وید کے پورے متن میں کسی خالق دیوتا کا کوئی واضح تصور نہیں دیا گیا۔ البتہ اس کے آخری دور میں یہ تصور کسی حد تک پیدا ہو چلا تھا کہ کوئی ایک خدا ایسا بھی ہونا چاہیے جو پوری کائنات کا خالق ہو۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تصور براہمنوں کی اپنی سوچ کا نتیجہ تھا یا غیر آریائی مذاہب سے مستعار لیا گیا تھا۔ بہرحال، اس خدا کو

"پرجاپتی" کہا گیا جو بعد میں برہما اور برہمن کی مذکر صورت سے بدل لیا۔ تصور یہ قائم کیا گیا "پرجاپتی" دراصل پہلا انسان "پرش" تھا جو کائنات سے بھی پہلے موجود تھا۔ اس انسان نے اپنے ہی حضور اپنے آپ کی قربانی پیش کی۔ دیوتاؤں نے جو اس کے بچے تھے، اُسے بھینٹ چڑھا دیا۔ پھر اس بھینٹ چڑھ جانے والے انسان کے مقدس جسم سے کائنات وجود میں آگئی ہے۔

اسی طرح کے اور بہت سے تصورات ہیں جو تمام ہندو لٹریچر میں موجود ہیں۔ تاہم "سوریہ" دیوتا کو خالق کہیں بھی نہیں کہا گیا۔ آریائی تخیل کی سب سے بڑی اڑان "ورنا" دیوتا کے بارے میں ہے جو اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

سورج سے تعلق رکھنے والے دیوتاؤں کا ایک پورا گروہ آریاؤں کے مجمع خداوندان میں شامل ہے۔ سورج کے لیے عام لفظ "سوریہ" ہے۔ یہ اپنی شعلہ بار رتھ میں بیٹھ کر آسمان کا سفر طے کرتا ہے۔ "سوتر" بھی سورج دیوتا ہے جو عقل کو تیز اور روشن بناتا ہے۔ ویدوں کے تمام اشعار میں سے اس دیوتا کی تعریف میں کہے گئے اشعار کو بہت مقدس مانا جاتا ہے۔ سوریہ دیوتا کے اور بھی بہت سے نام ہیں مثلاً دِناکرا (دن بنانے والا) بھاسکرا (روشنی پیدا کرنے والا) وِوَاس وَت (آب و تاب والا) مِہر (سمندروں سے پانی لانے والا) گرہپتی (ستاروں کا آقا) کرما ساکشی (انسانوں کے اعمال کا گواہ) وغیرہ وغیرہ۔

اقبال نے جس گایتری کا ترجمہ کیا ہے، وہ اسی سوریہ دیوتا ہی کی شان میں کہی گئی ویدوں کی خوبصورت ترین نظم ہے۔ اقبال کو سوتر کی جو صفت پسند آئی ہے وہ عقل کو تیز اور روشن کرنے والی صفت ہے۔ اقبال کی نظم کے پہلے چار اشعار سوریہ دیوتا سے متعلق ہیں، پھر سوتر کی طرف گریز ہے ہے

وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے   دل ہے، خرد ہے، روح رواں ہے، شعور ہے

یہ سوتر کی عقل کو تیز و روشن کرنے والی صفت کی طرف گریز تھا۔ اب اسی "سوتر" سے کہا گیا ہے

اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے   چشم خرد کو اپنی تجلی سے نور دے

سوریہ اور سوتر دیوتا کی شان ہی میں گایتری ہے جس کا آزاد ترجمہ اقبال نے کیا ہے۔ انہوں نے انگریزی ترجمے میں "ایشور" کا لفظ استعمال کیا ہے جو سوتر کا ترجمہ نہیں ہے اور نہ ایشور Creator ہے۔ Creator کا تصور اب موجودہ دور کے ہندوؤں میں پیدا ہو رہا ہے۔ قدیم زمانے سے آج تک یہ تصور بہت الجھا سا رہا ہے۔ بھگوت گیتا میں بھی تخلیق کا یہ تصور نہیں

پایا جاتا۔

اے ایل باشم نے گایتری کا ترجمہ یہ کیا ہے : Let us think on the lovely splendour of the god Savitri that he may inspire our minds.

Indian Wisdom نامی کتاب میں دیا گیا ترجمہ یہ ہے :

Let us medi tate on that excellent glory of the divine vivifier may he enlighten (or stimulate) our understanding.

گویا Savitr کا ترجمہ Stimulator - Vivifier ہی درست ہے۔

سنسکرت کی گایتری کے پہلے پانچ الفاظ میں سوِتر دیوتا کی صفات بیان ہوئی ہیں۔ تت کے معنے Extension بھی اصل معنوں کی The Transcendent Supreme Being سے ورنہ اس کے اصل معنی Essence ہیں (اردو، پنجابی، سرائیکی میں بھی تت کڈھن اصل خلاصہ کے معنوں میں آتا ہے) چونکہ ہر دیوتا کو ویدوں نے World Soul یا پرجاپتی یا آدی یا پرش سے تخلیق کیا ہے، اس لیے اسے Essence کہنا بعید از فہم نہیں ہے۔ چونکہ سوِتر کا کام ہی عقل کو تیز اور روشن بنانا بتایا گیا ہے۔ اس لیے دعا بھی یہی مانگی گئی ہے کہ اے سوِتر دیوتا ہماری Intellect Understanding کو Enlighten guide کر guide سے سیدھا راستہ دکھایا اسے ٹیڑھا نہ کرکے معنی پیدا ہوتے ہیں۔

بھور، بھُوہ، سُوہ پرجاپتی (پُرش، پہلا انسان جس نے اپنی قربانی دی وغیرہ) کے الفاظ ہیں۔ اور یہی دیوتاؤں کا بھی باپ ہے اور تخلیق کائنات کا بھی ذمہ دار ہے!

سُورج دیوتا کو اُلوہیت کے مقام پر فائز کرنے کے ساتھ ہی روشنی کے دوسرے اجرامِ فلکی کو بھی نیم دیوتاؤں کا سا مقام عطا کیا گیا ہے۔ ان چھوٹے دیوتاؤں میں "اُوشا دیوی" کا مقام بہت بلند ہے۔ اس کی شان میں جو بھجن گائے جاتے ہیں، وہ علم و ادب کے بہترین شہپارے ہیں۔ اُوشا کو صبحِ کاذب کی پہلی کرن یا شفقِ صبح کی اوّلین روشنی کہہ سکتے ہیں۔ اسے مجسّم بنا کر دیوی کا رتبہ دے دیا گیا ہے اور پھر اسے حسن و جمال کے اُن لوازمات سے آراستہ کیا گیا ہے جو عروسِ نَو کے شباب دلرُبا اور اس کے لباسِ رنگین و درخشاں کے لیے موزُوں ہیں۔ اس نظم کے چند آخری اشعار کا ترجمہ کچھ اس طرح ہوگا:

تُو ہر نئی صبح کو تجدیدِ شباب کا پیغام لاتی ہے۔ سالہا سال بیت

گئے ہیں لیکن تو روزِ ازل کی طرح جوان ہے۔ تو ہر سانس لینے والی مخلوق کی زندگی ہے۔ تو روزانہ نیند کے ہزاروں متوالوں کو جگا دیتی ہے۔ تیرے آنے سے پرندے گھونسلوں میں پھڑپھڑانے لگ جاتے ہیں اور انسانوں کے مصروف پاؤں، اپنے روزمرہ کے فرائض کی ادائیگی کے لیے ایک بار پھر متحرک ہو جاتے ہیں۔ کوئی محنت کر رہا ہے مال و دولت کے لیے، کوئی محنت کر رہا ہے نشاط و سرور کے لیے اور کوئی محنت کر رہا ہے شہرت کے لیے!

اقبالؒ کا پیغام بھی حرکت و فعالیت کا پیغام ہے۔ اس کے درسِ بیداری اور پیامِ عمل میں اور واوشا، کے پیغامِ بیداری میں جو مماثلت ہے، اس کو ملحوظ رکھ کر اقبالؒ کی نظم "شعاعِ آفتاب" کو بھی دیکھنا چاہیے جس میں سورج کی کرن کو اقبال نے بھی صیغۂ تانیث سے خطاب کیا ہے اور اس سے وہی جواب اخذ کیا ہے جو واوشا، کے پجاری ذہن میں ہے، یعنی ؎

مضطرب ہر دم مری تقدیر رکھتی ہے مجھے
جستجو میں لذتِ تنویر رکھتی ہے مجھے
برقِ آتش خو نہیں، فطرت میں گو ناری ہوں میں
مہرِ عالم تاب کا پیغامِ بیداری ہوں میں
سُرمہ بن کر چشمِ انساں میں سما جاؤں گی میں
رات نے جو کچھ چھپا رکھا تھا، دکھلاؤں گی میں
تیرے مستوں میں کوئی جویائے ہشیاری بھی ہے؟
سونے والوں میں کسی کو ذوقِ بیداری بھی ہے؟

Iqbal Cyber Library All rights reserved ©2002-2006

ادارہ معارف اسلامیہ لاہور کے اراکین کے ساتھ۔ تصویر میں شیخ سر عبدالقادر، خلیفہ شجاع الدین

ڈاکٹر تاثیر، مولوی محمد شفیع اور ممتاز حسن نمایاں ہیں